

## مذہبی انتہاپسندی کے اسباب

### Causes of Religious Extremism

**Sara Bhutta**

*PhD Scholar Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad*

*Email: sara\_bhuttaphd@yahoo.com*

*ORCID: <https://orcid.org/0009-0005-8267-2584>*

**Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari**

*Associate Professor, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad*

*Email: sagbukhari@numl.edu.pk*

*ORCID: <https://orcid.org/0000-0001-6531-6565>*

#### Abstract

Human History is replete with such incidents in which people who were victims of oppression, coercion, egoism, brutality and exploitative policies of the rulers took the path of rebellion. Similarly, political instability arises due to incompetent rulers. Which makes the roots of any state dangerously hollow. A capable and competent government is as important and necessary to a state, as a human body needs balanced diet and care. Uncertainty of politics creates a sense of anxiety and fear in the hearts of the people. Political instability also has many causes like foreign interference, political competition etc.

**Keywords:** Extremism, Victims, Human History, Political Instability, Causes

انسانی تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے جن میں صاحبان اقتدار کے ظلم و ستم، جبر و زیادتی، انا پرستی، بربریت اور استحصالی پالیسیوں کے شکار افراد نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ اسی طرح نااہل حکمرانوں کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام وجود میں آتا ہے۔ جو کسی بھی ریاست کی جڑوں کو خطرناک حد تک کھوکھلا کر دیتا ہے۔ ایک قابل اور اہل حکومت کسی ریاست کے لیے اتنی ہی اہم اور ضروری ہے جتنا کہ ایک انسانی جسم کو متوازن خوراک اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ سیاست کی غیر یقینی صورت حال عوام کے دلوں میں بے چینی اور خوف کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ سیاسی عدم استحکام کی بھی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں جیسے غیر ملکی مداخلت، سیاسی مسابقت وغیرہ۔

دور جدید میں ہمارے ہاں آئے دن ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا رہتا ہے ایک دوسرے پر تبریٰ کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے قتل و قاتل تک کی نوبت آتی ہے۔ اس طرز عمل کے پیچھے چند بنیادی اسباب کارفرما نظر آتے ہیں۔

اول: خود اپنے بنیادی عقیدے اور دوسرے مسلک کے عقیدے کے بارے میں معلومات کی کمی اور غیر مصدقہ معلومات پر بھروسہ کرنا۔ حالانکہ نبی مکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ تحقیق و ثبوت کے بغیر کوئی بھی بات قابل قبول

نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾<sup>1</sup>

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔“

دوم: ہر فارغ التحصیل بلکہ ہر دینی طالب علم کا اپنے آپ کو مقام افتاء و قضا پر بٹھا دینا۔ نتیجتاً وہ بہت سے مسائل میں بلا تردد و تحقیق اپنا فتویٰ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جلیل القدر صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بات فرمائی تھی کہ کیا تم نے فلاں شخص کو قتل کرنے سے پہلے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں؟<sup>2</sup> ہر صاحب علم جانتا ہے کہ دوران جہاد ایک شخص نے عین حالت جنگ میں اپنے آپ کو قتل کیے جانے سے پہلے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ سربراہ لشکر نے یہ سمجھا کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے اور اس کے قتل سے ہاتھ نہ روکا۔ آپ ﷺ نے اس عمل کو ناپسند کیا۔

لیکن ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر کس و ناکس کے بارے میں محض افواہ اور غیر مصدقہ معلومات کی بنا پر بلا کسی تکلف و تردد یہ فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ وہ منافق ہے، بدعتی ہے، وہ گمراہ ہے لہذا اس پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ نے اس انداز سے سخت منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے کہ

«مَنْ قَالَ لِإِخِيهِ يَا كَافِرٍ فَقَدْ بَاءَ بِمَا أَحْدُهُمَا»<sup>3</sup>

”جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا تو وہ واقعی کافر ہے تو ٹھیک ورنہ کہنے والے کا قول اس کی اپنی طرف لوٹ جاتا ہے۔“

سوم: معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید بین الانسانی تعلقات کو بھی لوگوں نے اپنی سیاسی وابستگیوں کے تابع کر دیا ہے اور جب کسی مذہب کے ماننے والوں کا کسی لادینی جماعت کے ساتھ اتحاد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مسلکی اختلافات کو سیاسی وابستگی کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اگر اس سے آگے بڑھ کر کہا جائے کہ ہمارے ہاں مسلکی تشدد عموماً سیاسی عناصر کے مفادات کی روشنی میں ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

پاکستان میں شیعہ سنی کھچاؤ کی جڑیں عموماً سیاسی مفادات رکھنے والے افراد تک پہنچتی ہیں اور وہ اختلافات کو ہوادے کر یا ایک دوسرے فرقہ کی پشت پناہی کر کے اپنے لیے مناسب سیاسی فضا پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ اس طرح نفرتوں کی جو خلیج ہر تشدد کے عمل کے نتیجے میں گہری ہوتی چلی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس

کی جو اب دہی تو کرنی ہی ہوگی، خود اس دنیا میں بھی کسی وقت احتسابی عمل کے نتیجے میں انہیں اپنے کیے پر جواب دہی کرنی نہ پڑ جائے۔

دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد انسانی جان، خون اور رشتہ کا احترام ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک جان کو بغیر کسی حق کے ضائع کیے جانے کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا۔ اسلامی شریعت میں جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی<sup>4</sup>۔

قتل نفس کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایسے تشدد پسند گروہ وجود میں آگئے ہیں جو اپنے نام اور اپنی پہچان نبی پاک ﷺ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کرنے کے باوجود وہ کام کر رہے ہیں جسے خود اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ نے شدت سے منع کیا ہے۔

چہارم: فقہی اختلافات میں تشدد کا رجحان۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مسلمان ہی نہیں ایک غیر مسلم بھی سوچتا ہے کہ کیا مسلمانوں میں فرقہ واریت، انتہاپسندی اور آپس کے جھگڑوں کا اصل سبب فقہی اختلافات کا پایا جانا ہے؟ کیا مسلمانوں کو ان کے دین نے ایسا خون آشام بنا دیا ہے کہ باہمی نفرت، تصادم اور خون خرابے کے سوا ان کا کوئی شغل نہیں؟ جب ایک عام تجزیہ نگار مسلمانوں کی صورت حال کا مقابلہ غیر مسلموں کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا سبب ہے کہ عیسائیت میں 250 سے زیادہ علیحدہ علیحدہ چرچ اور مسلکی و فقہی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف ایسی نفرت و دشمنی نہیں پائی جاتی، جیسی کچھ ملکوں اور علاقوں میں آج مسلمانوں کے فرقوں اور مسلکوں میں پائی جاتی ہے۔

اس تاثر کو شدید بنانے میں عالمی ابلاغ عامہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ شاہد ہی کوئی دن ایسا ہو جب بین الاقوامی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کو حوالے سے تشدد، انتہاپسندی اور قوت کے استعمال کا ذکر اپنی سرخیوں میں نہ کرتے ہوں۔

عالمی سطح پر امت مسلمہ کے اختلافات، باہمی دشمنی اور آپس کے خون خرابے اور تشدد و قوت کے استعمال کی کہانیاں جب بار بار نظروں سے گزرتی ہیں تو غیر ہی نہیں اپنوں کو بھی یقین آجاتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے بارے میں جو کچھ دکھایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے وہ سچ ہی ہوگا۔ اگر جائزہ لیا جائے تو صرف امریکہ کے بڑے بڑے شہروں نیویارک، شکاگو، لاس اینجلس، فلاڈیلفیا اور ڈیٹرائٹ وغیرہ میں جرائم کی رفتار، جن میں قتل، جنسی جرائم، چوری اور ڈاکہ ہر چیز شامل ہے، کسی ترقی پذیر ملک سے کم نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود، ٹائم، نیوز ویک یا ایٹھویک نیز سی این این یا بی بی سی کبھی مسافروں کو یہ مشورہ نہیں دیتے کہ ان شہروں کا سفر اختیار کرتے وقت

پہلے قریبی پولیس تھانہ سے رابطہ کریں اور اس کے بعد بازار جائیں، جب کہ لاہور، ملتان یا کراچی میں اگر کوئی فرقہ وارانہ واقعہ وقوع پذیر ہو جائے تو اسے عموم کی شکل دیتے ہوئے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں پائی جانے والی کسی بھی درجہ کی تفرقہ بازی، انتہاپسندی زیر بحث آجاتی ہے اور بین السطور یہ پیغام پہنچا دیا جاتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان تنگ نظری، تشدد اور انتہاپسندی اور لسانی فرقہ بندی کا شکار ہیں۔ اور یہ بات بھی بہت شد و مد سے کہی جاتی ہے کہ دینی مدارس سے فارغ علماء و آئمہ اسلام سے زیادہ اپنے مسلک کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کی انتہاپسندی مذہبی منافرت اور تشدد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، بلکہ اب تو دینی درس گاہوں کو تشدد اور لاقانونیت کی تربیت گاہیں بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

دوسری طرف یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مدارس دینیہ میں بڑی حد تک مشترک نصابی کتب کے باوجود بعض اداروں میں ایک جامد اور تشدد مسلکی ذہن کیوں تعمیر ہوتا ہے؟ جو طلبہ یہاں سے فارغ ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بعض روایتی رسموں کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے اور کسی دوسرے کی نظر میں ایسی تقریبات سے دل پر ایمان کی جگہ ضلالت و گمراہی کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ بات اگر یہاں تک رہتی تو شاید نظری گفتگوؤں سے اس کا حل نکالا جاسکتا تھا لیکن نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ان میں سے بعض آئمہ و علماء نہ صرف اپنے علاوہ دوسرے فرقے اور مسلک کی تضحیک و تذلیل منبر و محراب سے کرتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں دوسرے مسلک کے حاملین کے خون کو بھی حلال قرار دے ڈالتے ہیں۔ ان میں بعض شقی القلب و انتہاپسند تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مخالفت فقہ کے افراد پر عین حالت قیام و صلوة و قیام اللیل حتیٰ کہ ماہ رمضان میں حملہ آور ہونے کو بھی 'جہاد' سمجھتے ہیں اور ایسے افعال کو مسلکی فتح مندی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور انہیں رجماء بینہم کا مصداق قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان خوارج کا خون بھی مباح قرار نہیں دیا تھا جو عملاً ریاست سے باغی ہو گئے تھے۔ یہ تمام حالات اور واقعات اس بات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ اس مسئلے کی جڑ کو تلاش کیا جائے کہ آخر ٹیڑھ کہاں ہے؟

مذہبی انتہاپسندی کا علاج

اخوت اسلامی کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنا

اللہ تعالیٰ کے امت مسلمہ پر بے شمار انعامات میں سے ایک عظیم احسان اہل ایمان کے درمیان رشتہ اخوت و مودت کا قائم فرمانا ہے۔ قرآن پاک میں اس احسان عظیم کو ذکر یوں فرمایا گیا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ﴾<sup>5</sup>

”بلاشبہ اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں بس آپس میں صلح و صفائی سے رہا کرو۔“

جب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں اور ایک دوسرے کے دست و بازو غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾<sup>6</sup>

”یعنی مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء اور رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔“

منافقین کی صفات مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون اور غمخوار ہیں<sup>7</sup>۔ جس طرح حدیث میں ہے:

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ»<sup>8</sup>

”یعنی مومن مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا درلیعہ ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر اشارہ فرمایا۔“

دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

”مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے“<sup>9</sup>۔

مزید یہ کہ اخوت کا بنیادی تقاضا باہمی صلح، رواداری اور عدل بھی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾<sup>10</sup>

”اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل و احسان کو اختیار کرو اور اقربا (مال وغیرہ) کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔“

عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ اس کے ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے۔ جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تفضل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ عدل سے معاشرہ میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواہی اور اپنائیت و فدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں<sup>11</sup>۔

مذکورہ آیت کریمہ کی اہمیت کے پیش نظر دنیا کے ہر خطے میں خطبہ جمعہ کا ایک لازمی حصہ بن گئی ہے۔ صلح و آشتی کے معلق اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى

فَقَاتِلُوا آلِئِذِي تَبَغَيْنِ حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ ۗ﴾<sup>12</sup>

”اگر مسلمانوں کی جو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادیا کرو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»<sup>13</sup>

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم تو کسی سائل نے پوچھا کہ یا نبی اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد تو کی جاسکتی ہے لیکن ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد کرنا ہے۔“

حدیث میں قطع تعلقی کو حرام قرار دیا ہے لیکن بہتر آدمی وہ ہے جو سلام و کلام کرنے میں پہل کرے<sup>14</sup>۔ مومنین کی تفصیلی صفات کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آیت 177 یا سورۃ المؤمنون شروع کی 10 آیات اور سورۃ الفرقان کا آخری رکوع۔

انسانوں کا ایک دوسرا گروہ جو ضابطہ اخلاق اور عدل و انصاف کو نظر انداز کرتا ہے پھر یہ گروہ صراط مستقیم اور خالق کائنات کی بندگی کو رد کرتا ہے۔ دوسری طرف طاغوت کو کبر و انانیت، بغاوت و سرکشی کو ضد اور ہٹ دھرمی کو اختیار

کرتا ہے۔ قرآن کریم انہیں ضالین، گمراہ اور گمراہی پھیلانے والے قرار دیتا ہے۔ یہ گروہ اہل ایمان کی مخالفت میں کمر بستہ رہتا ہے اور انہیں کبھی قوت سے اور کبھی چالاکی، لالچ، طمع و حرص اور مادی فوائد کے ذریعے ایک دوسرے کے مد مقابل لاکھڑا کرتا ہے۔ نتیجتاً اہل ایمان و تقویٰ عظیم اخلاقی مقام پر فائز ہونے کے باوجود کبھی رنگ، کبھی نسل، کبھی زبان، کبھی علاقیت و قبیلہ و برادری اور کبھی جزوی فقہی اختلافات میں پڑ کر متفرق و منتشر ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اخوت، رواداری اور عدل و انصاف کے علم بردار اہل ایمان مذہب یا انتہا پسندی، منافرت، باہمی جنگ و جدال، قتل و عارت گری کے شکار ہو جاتے ہیں<sup>15</sup>۔

### توسط و اعتدال کی ترغیب:

نبی مکرم ﷺ کی آمد سے پہلے انسان کے فکری و مذہبی سرمایہ چند رویوں کا غلبہ تھا اگر ایک طرف اخوت تمام رویوں کو متعین کرتی تھی تو دوسری طرف امید و مسرت کے جذبے راہنمائی کرتے تھے۔ اس طرح اگر ایک طرف انتقام مسلمہ اصول تھا جس سے اجتماعی زندگی منضبط ہوتی تھی تو دوسری طرف عفو و درگزر تھا جو فرد کی اخلاقی عظمت کا معیار متصور ہوتا تھا۔ افراد اور معاشرے اپنے رویوں اور اصولوں کی بنیاد پر پہچانے جاتے اور منظم ہوتے۔ اسلام نے خوف ورجاء اور انتقام و عفو کے درمیان اعتدال کی راہ کو اخلاقی اصول کے طور پر متعارف کرایا اور انسانوں کو انتہا پسندانہ رویوں اور ایک رنے رجحان سے نجات دلائی۔ توسط و اعتدال کا اصول اخلاقی زندگی کی روح اور انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

### خوف ورجاء

اسلام نے خوف ورجاء کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ خوف ورجاء کو باہم مربوط کر کے ایک معتدل اور مثبت رویہ تشکیل دیا ہے وہ ایک طرف دنیا کی فنا اور زوال کا قصہ بار بار سناتا ہے کہ دل بادہ غفلت میں سرشار نہ ہو اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتا وہ آخر وقت تک اللہ کے سہارے جینے کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتہ کے ذریعے یہ پیغام دیا

﴿قَالُوا بَشِّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفٰنِطِينَ﴾<sup>16</sup>

”انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو بھی خوشخبری دیتے ہیں آپ ناامیدوں میں سے نہ بنیے۔“

اور اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾<sup>17</sup>

”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔“

### عفو و انتقام

جس طرح ہر حال میں انتقام کے اصول پر عمل نہیں ہو سکتا اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسلام نے دونوں کو جمع کر کے توسط و اعتدال کی کیفیت پیدا کی ہے جس سے دونوں پر اپنے اپنے حالات میں عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ بِالْقَتْلِ بِالْحَرْبِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأَنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾<sup>18</sup>

”اے ایمان والو! قتل کے مقدمات میں تم قصاص فرض کیا گیا ہے اگر قاتل آزاد ہے تو اس کے بدلے آزاد ہی قتل ہو گا۔ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی پھر اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے (خون بہا) کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل یہ رقم بہتر طریقے سے (مقتول کے وارثوں کو) ادا کر دے یہ (دیت کی ادائیگی) تمہارے رب کی طرف سے رخصت اور اس کی رحمت ہے اس کے بعد جو شخص زیادتی کرے اسے دردناک عذاب ہو گا۔“

### انتہاپسندی کی حوصلہ شکنی

#### 1- عقائد میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾<sup>19</sup>

”اے اہل کتاب دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق اور کچھ نہ کہو۔“

غلو کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حلال و حرام کے اختیار سے نوازا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے اس انتہاپسندی کو پیش نظر رکھ کر اپنی امت کو متنبہ فرمایا:

«لَا تُظْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ»<sup>20</sup>

”تم مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔“

## 2۔ عبادات میں

حدیث پاک میں ہے کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نیک نیتی سے رہبانیت کا ارادہ فرمایا:  
«فقال أحدهم أما أنا فأصلي الليل أبدا، وقال آخر أنا أصوم ولا أفطر وقال آخر أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا»  
ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ ایک نے فرمایا میں آئندہ رات بھر قیام کروں اور نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ مسلسل روزہ رکھوں گا افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں شادی ہرگز نہیں کروں گا۔

جب نبی پاک صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ:

«لكني أصوم وأفطر وأصلي أرفق وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني»<sup>21</sup>  
”لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار کرتا بھی ہوں، رات کی نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی شدہ ہوں۔ جس نے میری سنت (طریقہ) سے منہ موڑ لیا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔“

## 3۔ اخلاقیات میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾<sup>22</sup>  
”لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا، زمین میں اترا کر، اکثر کرنے چل کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔“

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْظُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾<sup>23</sup>  
”بہنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور بہنی آواز پست کر یقیناً بد سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔“

## 4۔ معاشیات میں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾<sup>24</sup>

”کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو“۔

اسراف (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے ایک حدیث میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو البتہ دو باتوں سے گریز کرو اسراف اور تکبر سے“۔  
اللہ تعالیٰ نے تنذیر سے بھی منع فرمایا:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا \* إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾<sup>25</sup>

”اسراف اور بے جا خرچ سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں“۔

بعض کے ہاں تنذیر کا مطلب ناجائز امور پر خرچ کرنا ہے خواہ تھوڑا ہو<sup>26</sup>۔

### رواداری و برداشت کی ترغیب

اسلام میں رواداری کی ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾<sup>27</sup>

”دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں“۔

رہتی دنیا تک روشن چراغ بن کر جگمگاتے رہیں گے۔ قرآن حکیم نے دیگر مذاہب کو پیش کش بھی کی جس کی نظیر مذاہب عالم کی پوری تاریخ میں نہیں۔ جیسے فرمان الہی ہے: کہ آؤ اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائیں۔ (اس دعوت کو قبول کرنے سے) اگر منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تم حکم کے تابع ہیں<sup>28</sup>۔

قرآن مجید کی مجسم تصویر حضرت محمد ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد یہودیوں اور مدینہ کے ارد گرد کے مشرک قبائل کو بقائے باہمی پر امن کے ایک معاہدہ ’یثاق مدینہ‘ میں شریک کیا۔ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ صلح کیا۔ خانہ کعبہ کو مشرکوں کے قبضے میں ہی رہنے دیا۔ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح کیا تو انہیں پوری مذہبی آزادی دیتے ہوئے ان کے گرجا گھروں اور کلیساؤں کی حفاظت کا خود ذمہ لیا۔ اس طرح ان کی عیسائی حکومت کو کمال رواداری سے برقرار رکھا<sup>29</sup>۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام مشرکین اور کفار کو رواداری اور تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے معاف فرمادیا۔

بنو ثقیف کا وفد جب آپ سے صلح کا معاہدہ کرنے مدینہ آیا تو اس وقت کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ نماز اور خطبہ کے دوران وہ مسجد میں موجود رہتے تھے پھر یہ لوگ زکوٰۃ دیتے تھے اور نہ جہاد میں شرکت<sup>30</sup>۔

آپ ﷺ نے کمال حکمت اور رواداری سے ان کی خامیاں برداشت کیں، پھر تھوڑی مدت کے بعد زکوٰۃ بھی دینے لگے اور جہاد میں بھی شرکت کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اہل خمیر کے ساتھ رواداری کا ثبوت دیا اور ان کی زمین انہی کو بیٹائی پر دے دی<sup>31</sup>۔

نبی پاک ﷺ کے منافقین سے چشم پوشی میں صرف ایک ہی بنیادی حکمت پنہاں تھی اور وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنی امت کو اپنے عمل سے یہ سنہری سبق دینا چاہتے تھے کہ نیت کی جزا و سزا کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جاتا ہے اور اسی بزرگ و برتر پر ہی چھوڑا بھی جانا چاہیے۔

اس وقت امت مسلمہ کا حال یہ ہے کہ ہم اپنے فرقہ کی بنیاد پر ہی دوسرے کی نیت پر شبہ کرتے ہیں اور اسے اس کی 'بدنیتی' کی سزا بھی خود ہی دینا چاہتے ہیں۔ نیت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ کر دیکھیں تو ہمیں صاف محسوس ہو گا کہ مسلمانوں میں موجود تمام مذاہب (مسالک) ایک اللہ کی وحدانیت، ایک قرآن کی حقانیت اور ایک رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک جیسا کلمہ پڑھتے ہیں، ایک جیسی پجگانہ نماز ادا کرتے ہیں، ایک جیسے ماہ صیام کے روزے رکھتے ہیں اور ایک جیسے حج اور ایک جیسے زکوٰۃ کے نظام پر عمل پیرا ہیں۔ تمام مذاہب کی بنیاد اور سرچشمہ ایک جیسے ہیں کوئی بنیادی اختلاف نہیں صرف فروعی مسائل میں اختلاف کا ہونا کوئی بری بات نہیں۔

### فرقہ واریت کی بیخ کنی

فرقہ بندی کی تردید میں تقریباً قرآن کریم کے اکیس مقامات پر مختلف سیاق میں تذکرہ موجود ہے۔ کہیں یہ بات فرمائی گئی علم و ہدایت آنے کے بعد فرقوں میں نہ بٹ جاؤ<sup>32</sup>۔ کہیں واضح ترین الفاظ میں یہ بات سمجھائی کہ حق سے منحرف ہونے والے بعض افراد مسجد جیسی جوڑنے والی اعصاب بحبل اللہ بپا کرنے اور اخوت و احترام کرنے والی جگہ کو اہل ایمان کے درمیان ضرر و افتراق کے لیے استعمال کرتے ہیں<sup>33</sup>۔

سورۃ الشوریٰ میں فرقہ بندی و انتہاپسندی کو ایک منفی اور سلبہ عمل قرار دیتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کے ذریعے تفرقہ رکھنے والی ذہنیت کو دور کرنے کی تعلیم دی گئی ہے یہاں سے یہ اصول بھی نکلا کہ اقامت دین کے لیے کوشش کرنے والی تحریکات کا ذہن فرقہ پرستی کا نہیں بلکہ دین کے حوالے سے امت مسلمہ کو جوڑنے کا ہو گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾<sup>34</sup>

”قائم کرو دین کو اور اس میں پھوٹ (تفرقہ) نہ ڈالو۔“

گویا اسلام فرقہ بندی، انتہاپسندی اور آپس میں تقسیم ہو کر جتھ بندی کی کھل کر مذمت و ممانعت کرتا ہے لیکن یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ اسلام اختلاف رائے اور فرقہ پرستی اور فرقہ بازی میں فرق نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام، قرآن و حدیث پر غور و خوض کے بعد خلوص نیت سے مختلف تعبیرات اور فقہی آراء قائم کرنے کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم اسے محبوب و مطلوب قرار دیتا ہے۔ جہاں وہ دین کے قیام و غلبہ کے لیے اہل ایمان کی ایک جماعت کا جہاد بالسیف میں مصروف ہونا ضروری قرار دیتا ہے وہاں دوسری جماعت (گروہ) پر دینی مصادر کو سمجھنے، فہم دین پیدا کرنے اور دین کی دعوت و تعلیم فرض کر دیتا ہے تاکہ اسلام کی معاشی، سیاسی، معاشرتی، ثقافتی تعلیمات کی وضاحت ہو اور ان تعلیمات کی روشنی میں ایک نقشہ عمل اور حکمت عملی وضع کی جاسکے۔

سورہ توبہ آیت نمبر 122 میں اسے تفقہ فی الدین کا عنوان دیا ہے۔ یہاں بھی یہ یاد رہے یہ تقسیم بھی مطلق نہیں ہے کہ مجاہدین اور فقہاء کے ہمیشہ دو الگ الگ طبقات یا گروہ ہوں۔ مجاہد اور عالم دونوں اس جہاد کا حصہ ہیں۔

مسلمان پیشواؤں، ائمہ دین میں بہت سی شخصیات ہیں جن میں فکر و فن اور سیف و جہاد کا اجتماع بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ ان اصطلاحات کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تفریق و اختلاف ہے کیا؟ کیا یہ مرض اس صدی کا مرض ہے؟ کیا دین میں اس کی گنجائش ہے؟ کیا قرآن و سنت کے علاوہ کسی مسلک کا پیروکار ہونا بھی فلاح و کامرانی کے لیے ضروری ہے؟

قرآن کریم ہر مسلمان مرد و عورت کو حکم دیتا ہے کہ دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کر لے کہ حلال و حرام میں فرق معلوم ہو سکے۔ حدیث میں ارشاد ہے:

”حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اس لیے اس واضح حلال و حرام کا علم اور اس کی روشنی میں مشتبہ امور کو معلوم کرنے کے لیے تفقہ اختیار کرنا ہوگا“<sup>35</sup>۔

قرآن کریم کا حکم ہے عام معاملات میں مشاورت کرو اور جب قلب و ذہن ایک مقام پر مطمئن دیکھو تو عزم الامور کے ساتھ اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائیں<sup>36</sup>۔

کیا ہر مشورہ، ہر تحقیق اور ہر تعبیر لازمی طور پر اجماع کی شکل اختیار کرے گی؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پورے خلوص نیت، علمی عبور اور جائزے و تجزیے کے بعد ایک سے زائد مسالک و آراء یکساں طور پر دین کے دائرہ میں ہوں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کے ساتھ پیش آیا تھا جسے نبی پاک ﷺ نے حکم دیا تھا کہ:

”بنو قریظہ میں جا کر نماز عصر ادا کرنا“<sup>37</sup>۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے قضاء کر کے نماز پڑھی اور دوسرے گروہ نے اس آیت کی روشنی میں کہ نماز وقت مقرر ہے نماز اول وقت میں پڑھی۔ آپ ﷺ نے ان کی واپسی پر ان میں سے کسی کی گرفت نہیں فرمائی۔ تو گویا کہ دونوں گروہوں کی عبادت اللہ کے ہاں قابل قبول ہے۔

ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے امام و سربراہ ہونے کے باوجود شوریٰ کے اصول کو عملاً اختیار فرمایا۔ بدر میں میدان کے انتخاب<sup>38</sup>، احد میں مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ<sup>39</sup>، غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی تعمیر<sup>40</sup>، صلح حدیبیہ کے موقع پر حکمت عملی طے کرنا۔ غرض بے شمار مواقع پر ﷺ نے اپنے فیصلہ کرنے کے اختیار کی جگہ شوریٰ کو اولیت دی۔

ابھی آپ کے وصال کو چند لمحات ہی گزرے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف ہوا اور مختلف آراء سامنے آئیں۔ خود آپ ﷺ کی تدفین کے حوالے اختلاف پیدا ہوا کہ تدفین کہاں پر عمل میں لائی جائے۔ ابھی ریاست کے معاملات طے ہو رہے تھے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی پر اختلاف پیدا ہو گیا، ساتھ ہی منکرین زکوٰۃ سے جہاد کے مسئلے پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف کھڑا ہوا۔ یہ مسئلہ اٹھا کہ جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہوں مگر صلوة ادا کر رہے ہوں کیا ان پر تلوار اٹھائی جائے گی؟ ابھی یہ معاملات طے ہوئے ہی تھا کہ یہ سوال پیدا ہوا کہ جن مقامات پر جہاد کیا جا رہا ہے اور مسلم افواج بغیر کسی مقابلے کے املا پر قابض ہو جائیں تو کیا یہ بھی غنیمت کی طرح تقسیم ہوں یا اموال قتلے کے لیے کوئی اور اصول اختیار کیا جائے گا؟ جو زمینیں اس طرح زیر نگین آئیں گی وہ عشری ہوں گی یا خراجی؟ مختصر یہ کہ امور مملکت ہوں یا بنیادی معاشی، اعتقادی، معاشرتی و انتظامی مسائل ہر نوع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کھلے لفظوں میں فرماتی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فلاں معاملے میں سہو ہوا، اصل بات یوں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے راشدین تعزیر کے معاملے میں اختلاف کرتے ہیں لیکن کیا ان اہم اختلافات کے باوجود کوئی ایک مثال ایسی ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی بند کر دی ہو؟ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بول چال بند کر دی ہو؟ یا ان کے ایمان و خلوص پر کوئی شک و شبہ کیا ہو؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بیرونی افراد یلغار کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو مسلح پہرہ دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر مامور کرتے ہیں؟

گویا اختلاف مسلک بجائے خود نہ تو مردود ہے اور نہ نفرت و فساد پیدا کرتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جب بھی مصنوعی طریقہ سے امت مسلمہ پر کسی ایک مسلک کو مسلط کرنے کا خیال پیش کیا گیا، امت مسلمہ کے خیر خواہ علماء نے اس کی مخالفت کی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے خلیفہ وقت کی خواہش رد کرتے ہوئے حدود و مملکت میں فقہ مالک رائج کیے جانے کی مخالفت کی اور اس معاملے کو امت مسلمہ کے شعور پر چھوڑ دیا کہ وہ جس فقہی رائے کو چاہے اختیار کرے۔

دور صحابہؓ اور بعد کے ادوار میں فقہاء علماء امت کے اختلافات کا جائزہ لیں تو واضح طور پر ان میں خلوص نیت کے ساتھ نصوص قرآن و سنت پر مبنی اختلاف کا رجحان نظر آتا ہے یعنی وہ اپنی ذات، انبیا اپنے مرشد و شیخ کی اندھی تقلید و پیروی کرتے نظر نہیں آتے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا احترام و محبت کس کے دل میں ہو گا؟ دونوں ان کے جانشین اور شاگردان رشید ہیں لیکن وہ بھی بہت سے معاملات میں اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہیں۔ کیا اس اختلاف کی بنیاد پر وہ تو بین استاد کے مرتکب قرار دیے جائیں گے؟ گویا ہماری علمی و ثقافتی روایت میں اختلاف کا نہ ہونا ایک اجنبی چیز ہے اور دلیل و برہان کی بنا پر اختلاف ایک فطری حقیقت ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے آج کے معاشرے میں تحلل، رواداری، کشادہ دلی، اکرام و محبت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اختلاف خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مخالف کا خون تک بہانے میں درلغ نہیں کیا جاتا۔ ہماری نگاہ میں مسئلہ چاہے کتنا پیچیدہ نظر آتا ہو اگر خلوص نیت اور دیانت داری کے ساتھ اس پر غور کیا جائے تو اس کا حل نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہمیں اسے جلد از جلد اختیار کرنا ہو گا۔ منافرت، مقاطعہ، مقاتلہ اور فساد مستحکم سے مستحکم انسانی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مسلم معاشرے میں جب بھی فروعی اختلافات کو بنیادی اہمیت دی گئی امت مسلمہ کی ہوا اکھڑی (اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ الانفال: 46:8) اور وہ تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود دشمن کے لیے نوالہ تر بن گئی۔ اس لیے ہمیں خود آگے بڑھ کر اس مسئلے کو حل کرنا ہو گا۔

کیا مسئلہ بنیادی طور پر عقیدے کا ہے؟ کیا ہر مسلک کے ماننے والوں کے اللہ اور رسول مختلف ہیں؟ یا سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کی ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا ہر مسلک کا کعبہ الگ ہے یا سب کا قبلہ حرم کعبہ ہی ہے؟ کیا کسی مسلک کے ماننے والے زکوٰۃ کے قائل ہیں اور کسی کے قائل نہیں؟ کیا کسی مسلک میں روزہ فرض ہے اور کسی میں نہیں؟ ان تمام اور دیگر اس جیسے سوالات پر جتنا غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ بنیادی عقیدے کے

لحاظ سے معروف سنی و شیعہ مسالک میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس بنا پر ان میں سے کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ چونکہ فلاں جزوی معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں اس لیے دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت وہی ہوگی جو مرتد یا مشرک یا کفار کے ساتھ ہوتی ہے، فکر و نظر کا یہ زاویہ دین سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کوئی شخص جو دین کا فہم رکھتا ہو ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

مذہبی انتہاپسندی کے سدباب کے لیے عملی تجاویز

نمائندہ مسالک خواہ شیعہ ہوں، دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں یا اہلحدیث ہوں انہیں مل کر معروف و معروضی طور پر ایک تجزیاتی عمل کے ذریعے مسئلے کا تعین کرنا ہوگا کہ اصل سبب کیا ہے؟ اس کی جڑیں کہاں تک پہنچتی ہیں؟ اور اس کے محرکات کیا ہیں؟

- فقہی مسالک کے نمائندہ علماء کو ایک مرتبہ نہیں بار بار ایک مستقل فورم کی شکل میں ایک ساتھ بیٹھ کر ٹی وی اور ریڈیو پر اپنے مسلک کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امن عامہ کے قیام، نفرتوں کے خاتمے اور اخوت و حق کے قیام کے لیے اپنی مخلصانہ رائے دینی ہوگی۔ وہ دو عملی اختیار نہیں کر سکتے کہ نجی محفلوں میں یا کسی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مشترکہ اعلامیہ پر قیام امن اور اتحاد امت کی کسی قرارداد پر دستخط بھی کر دیے جائیں اور ساتھ ان کے مسلک کی ایک سپاہ دوسروں کے اعوان و انصار سے نبرد آزما بھی ہو جائے۔
- تشدد، قتل و غارت اور اختلاف کی پیدا کردہ منافرت کو دور کرنے کے لیے علماء اور مسالک کے راہنما افراد کو آگے بڑھ کر ایک مثبت کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ بات باور نہیں کرائی جاسکتی کہ ایک مسلک کے سربراہ تو ایک متوازن الفکر معروف عالم دین ہوں لیکن اسی مسلک کا ایک عسکری تربیت یافتہ گروہ بھی ہو جو جہاں جب چاہے شب خون مارنے کے لیے آزاد ہو۔ ظاہر ہے ایسے گروہ کی قیادت جن، بھوت یا فرشتے تو کرنے سے رہے۔ کسی مسلکی سربراہ کی رائے کے خلاف ایسے افراد کا کوئی کام کرنا عقلمندانہ نہیں مان سکتی۔ گویا کہ مسالک سربراہان کو عوامی سطح پر امن کے قیام، انسانی جان کے احترام اور قتل و غارت گری کے خاتمے کے لیے اپنا جوہری کردار ادا کرنا ہوگا اور اپنے مسلک کے پیروکار و افراد کے مثبت اور منفی تمام کاموں کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔
- ہمیں اس حقیقت کو ماننا ہوگا کہ انسانی مسائل کا حل تنہا قوت کے استعمال سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ مذہبی گروہ بھی جو غیر دانستہ طور پر ایک دہشت پسندانہ طرز عمل کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہیں موجودہ تشدد کی ثقافت کی گرداب سے نکلنے کے لیے جرات مندی اور خلوص نیت کے ساتھ اصلاح حال کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ مسائل کے حل کے لیے حملے اور جوابی حملے کی جگہ عقل و دانش کو استعمال کرتے ہوئے باہمی اعتماد اور مسلکی

یک جہتی کے قیام کے لیے ان تلخ دشمنیوں کو دفن کرنا ہو گا جو وقتاً فوقتاً کسی کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ آستین کا لہو زیادہ عرصہ چھپا نہیں رہتا اور جلد یا بدیر حقائق سے پردہ اٹھ کر رہتا ہے۔ اس لیے متعلقہ مذہبی گروہوں کو آنے والی نسلوں کے خیال سے نفرتوں کی اس سلگتی ہوئی آگ کو بجھانا ہو گا خواہ اس عمل میں ان کے اپنے ہاتھوں پر آبلے پڑ جائیں۔

- مختلف مسالک کے جید علمائے کرام اور بزرگان دین کو بھی عزم کرنا ہو گا کہ وہ اپنے مسلک کو مزید بدنام نہ ہونے دیں گے اور جو دست شراکتیں ان کے مسلک کے بعض حضرات کو اپنے لیے استعمال کر رہے ہوں، ان کو پہچانتے ہوئے اس دخل اندازی کا جرات کے ساتھ بند کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ ایک طرف اسے اپنے اداروں کو اس غرض سے حرکت میں لانا ہو گا اور دوسری طرف عدلیہ کے احترام کو بحال کرنا ہو گا۔ ابلاغ عامہ کو بھی ایک تعمیری رخ پر چلانا ہو گا اور اطلاعات کے ذریعے سنسنی پھیلا کر اپنے مذموم کاروبار کو چکانے کی جگہ ان اداروں اور افراد کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنا ہو گا جو انتہاپسندی کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔
- قومی ابلاغ عامہ کی ذمہ داری بھی اس سلسلے میں غیر معمولی طور پر اہم ہے۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ بعض علماء اس انتہاپسندی کی پشت پناہی کر رہے ہیں تو حکومتی ابلاغ عامہ (ریڈیو ٹی وی) کو کس نے روکا ہے کہ وہ ملک کے بڑے اور چھوٹے تمام نمائندہ علماء کو یکے بعد دیگرے ٹی وی پر بلا کر خود ان سے براہ راست اس مسئلے کا حل دریافت کریں اور معروضیت اور کشادگی کے ساتھ ان کی آراء کو بغیر کسی ترمیم کے نشر کریں۔ یہ سمجھنا کہ اس طرح کشیدگی بڑھ جائے گی، بے بنیاد واہمہ ہے۔ ہر فرد اپنی جماعت کی ذات کے حوالے سے خوب سمجھتا ہے کہ کس بات کے کہنے سے مثبت یا منفی تاثر پیدا ہو گا؟ اس لیے براہ راست ان حضرات کا ٹی وی پر آنا خود یہ واضح کر دے گا کہ آخر اس ہنگامے کے پس پردہ کون ہے؟ اگر یہ علماء اپنی بریت کا اعلان کرتے ہیں تو پھر خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ تشدد و انتہاپسندی کا کون ذمہ دار ہے؟ اور یہ قصہ پیدا کس نے کیا ہے؟ اس قسم کے قومی اہمیت کے حساس موضوعات پر بات کھل کر ہونی چاہیے۔ پس پردہ جو انمردی دکھانا اور سامنے بھولے پن کا مظاہرہ کرنا عوام کی نگاہ سے نہیں چھپ سکتا۔ عوام خوب سمجھتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟

حوالہ جات

<sup>1</sup>۔ الحجرات: 6

Al-Hujarat: 6

<sup>2</sup>۔ القشیری مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، موسوعۃ الحدیث للکتب الستة، دار السلام، ریاض، کتاب الایمان، باب تحريم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله، ص: 694۔

Alqashiyray Muslim Bin Hajaaj, Sahayh Muslim, Mawsueat Alhudayth Lilkutab Alsitat, Dar Alsalami, Rayad, Ktab Alayman, Bab Taharym Qatl Alkafir Baed Qawlih La Alih Ala Allahu, P:694.

<sup>3</sup>۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، موسوعۃ الحدیث للکتب الستة، دار السلام، ریاض، کتاب الادب، باب من كفر اخاه بغير تاويل، ص: 515۔

Albukhary, Muḥammād BiN IsmaīL, ŞhyḤ Bkḥary, Maḥsū'āta AlḥdyTh Llkṭb Alsītāta, Daralṣlam, RyAḍ, Kṭab Aḷadb, Bābu Min Kfr Aḵḥah BghyR ṬawyL, p: 515

<sup>4</sup>۔ المائدة: 32

Alma'yd : 32

<sup>5</sup>۔ الحجرات: 10

Al-Hujarat: 10

<sup>6</sup>۔ التوبة: 71

Al-Tawbah: 71

<sup>7</sup>۔ الصابوني، محمد علي، مختصر تفسير ابن كثير، دار القرآن الكريم، بيروت 1981ء، 2/154۔

Al-Sabouni, Muhammad Ali, Ibn Katheer's Mukhtasr Tafseer, Dar Al-Qur'an Al-Kareem, Beirut 1981, 2/154

<sup>8</sup>۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب تشبيك الاصابع في المسجد، ص: 40۔

Sahih Albukhari, Kitab Alsalah, Bab Altashbik Al'usabiyi Fi Almasjid, P 40

<sup>9</sup>۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ص: 1508۔

Sahih Albukhari, Kitab Al'adab, Bab Rahmat Alnaas Albahim, P 1508.

<sup>10</sup>۔ النحل: 90

Al-Nahl: 90

<sup>11</sup> - یوسف، صلاح الدین، تفسیر احسن البیان، دار السلام، ریاض، ص: 362۔  
Yusuf, Salah Aldiyn, Tafsir Ahsan Albayan, Dar Alsalam, Alriyad, P:  
362.

<sup>12</sup> - الحجرات: 9

Al-Hujarat: 9

<sup>13</sup> - صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب نصر اناک ظالمنا و مظلوما، ص: 192۔

Sahih Albukhari, Kitab Almuslim, Bab Nasr 'Akhak Zaalimn 'Aw  
Mazloomn, P: 192.

<sup>14</sup> - صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحجرة، ص: 513۔

Sahih Albukhari, Kitab Al'adab, Bab Alhijrat, P: 513

<sup>15</sup> - علوی، خالد، انسان کامل، الفیصل ناشر، لاہور، 1997ء، ص: 596۔

Alwi, Khalid, 'Insan Kamil, Dar Alfaysal, Lahore 1997, P: 596

<sup>16</sup> - الحج: 55

Al-Hajar: 55

<sup>17</sup> - یوسف: 53

Yousuf: 53

<sup>18</sup> - البقرة: 178

Al-Bakarah: 178

<sup>19</sup> - النساء: 171

Al-Nisa: 171

<sup>20</sup> - صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم: 3445۔

Sahih Albukhari, Kitab 'Ahadith Al'anbia', no: 3445

<sup>21</sup> - صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ص: 438۔

Sahih Albukhari, Kitab Alnikah, Bab Altarghib Fi Alnikah, P: 438

<sup>22</sup> - لقمان: 18

Luqman: 18

<sup>23</sup> - ایضاً: 19

Ibid: 19

<sup>24</sup> - الاعراف: 31

Al-Aaraaf: 31

- 25۔ الاسراء: 26، 27  
Al-Isra: 26,27
- 26۔ تفسیر احسن البیان، ص: 372۔  
Tafsir Ahsan Albayan, P: 372
- 27۔ البقرة: 256  
Al-Bakarah: 256
- 28۔ آل عمران: 64  
Aaly-Imran: 64
- 29۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن آبی داؤد، کتاب الخراج، باب اخذ الجزية، ص: 1452۔  
'Abu Dawud Sulayman Bin Eashth Alsajistani, Sunan 'Abi Dawud, Kitab Alkharaaj, Bab Dakhil Aljizyat, P: 1452
- 30۔ سنن آبی داؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی خبر الطائف، ص: 1451۔  
Sunan 'Abi Dawud, Kitab Alkharaaj, Bab Almujawie Fi Khabar Altaayif, P: 1451
- 31۔ ابن قیم، منس الدین محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد بن حریر الزرعی، مختصر زاد المعاد، انصار السنہ، لاہور، ص: 258۔  
Ibne Qayyim, Shams Aldiyn, Muhammad Bin 'Abu Bakr Bin 'Ayub Bin Saed Bin Hariz Alzareii, Mukhtasar Zad Almuead, 'Ansar Alsanat, Lahore, P: 258
- 32۔ آل عمران: 105  
Aaly-Imran: 105
- 33۔ التوبہ: 107  
Al-Tawbah: 107
- 34۔ الشوریٰ: 13  
Al-Suraa: 13
- 35۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ص: 6۔  
Sahih Albukhari, Kitab Al'iiman, Bab Fadl Min Astimarat Almadinat, P: 6
- 36۔ آل عمران: 59، الشوریٰ: 38  
Aaly-Imran: 59, Al-Suraa: 38
- 37۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الأحزاب، ص: 337۔

Sahih Albukhari, Kitab Almaghazi, Bab Marjie Alnabii Min Al'ahzab,  
P: 337

<sup>38</sup> - عبد السلام ہارون، تہذیب سیرۃ ابن ہشام، دار الحدیث، کویت، 1981ء، ص: 143۔

Abdus Salam Harun, Tahdhib Sirat Bin Hisham, Dar Alhadith,  
Alkuayt 1981, P: 143

<sup>39</sup> - ایضاً، ص: 157۔

Ibid, P: 157

<sup>40</sup> - ابو الحسن ندوی، السیرۃ النبویہ، دار الشروق، سعودی عرب، 1977ء، ص: 207۔

Abu Al-Hasan Al-Nadawiu, Alsiyrat Alnabawiat, Dar Alshuruq  
Alsueudiat, 1977, P: 207